© rasailojaraid.com

حق اور باطل

(نعیم صدیقی)

قرآن میں حق و باطل کی آویزش کے سلسلے میں مختلف مواقع پر حسبِ ذیل آیات وارد ہوئی ہیں:-

(۱)——— وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لٰعبین ۝ لو اردنا ان نتخذ لھوًا لاتخذنٰہ من لدنا ان کنا فٰعلین ۝ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ۝ (الانبیاء)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے، اسے کھیل تماشے کی حیثیت سے پیدا نہیں کیا۔ اگر ہم ایسا چاہتے کہ اسے سامانِ تفریح بنائیں تو ہم یقیناً باختیارِ خود (کسی کی مزاحمت کے بغیر) اسے ایسا ہی بنا لیتے ——— بشرطیکہ ہم یہی کرنے والے ہوتے۔ الغرض ہم نے ایسا نہیں کیا ہے، بلکہ کائنات کو ایسے اصول و مقصد کے ساتھ بنایا ہے کہ (اس اصول و مقصد کے پیشِ نظر) ہم حق کو باطل سے ٹکراتے ہیں، پھر وہ (حق) اُس کا (باطل کا) سر کچل دیتا ہے، یہاں تک کہ پھر وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتا ہے۔

(۲)——— وقل جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا ۝

اور کہہ دو کہ (لو) حق آپہنچا اور باطل میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا، بلاشبہ باطل تو ہے ہی بھاگنے والا!

(۳)——— الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیبۃً کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السماء، تؤتی اکلھا کل حینٍ باذن ربھا ——— ومثل کلمۃٍ خبیثۃٍ کشجرۃٍ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض مالھا

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے کہ پاکیزہ اصول ایک ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ خوب اچھی طرح (زمین میں) اتری ہوئی ہو اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں، اور جو ہر وقت اپنے برگ و بار لا رہا ہو——— اور (دوسری طرف) ناپاک اصول کی مثال اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من قرار ط — ناپاک درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی اوپر سے پھوٹ نکلا ہو، اُس کے لئے کچھ بھی پائداری نہیں ہے۔

(۴) ـــــ انزل من السماء ماءً

فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیل زبدا رابیا ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیۃ او متاع زبد مثلہ کذلک یضرب اللہ الحق والباطل فاما الزبد فیذھب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ (الرعد)

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، تو ندی نالے اپنے اپنے مقدور بھر (پانی لے کر) بہ نکلے، پھر وہ سیل اپنے اوپر پھولا ہوا جھاگ اٹھا لیتا ہے۔ اور اسی طرح زیور اور دوسری ضروریات بنانے کے لئے آگ میں جو کچھ (دھاتیں) پگھلاتے ہیں اُس پر بھی جھاگ آجاتا ہے ـــــ ٹھیک اسی طرح اللہ حق اور باطل (کی حقیقت) کو بیان کرتا ہے ـــــ تو پھر جہاں تک جھاگ کا تعلق ہے وہ تو سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، اور جو کچھ کہ نوعِ انسانی کے لئے نفع بخش ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔

اِن آیات کا منشا بالکل واضح ہے۔ ان میں ایک حقیقت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ دنیا کا نظام ایسے اصولوں پر بنایا گیا ہے کہ اس میں حق اور باطل دونوں قوتیں بالکل الگ الگ اور متمیز ہو کر باہم ٹکراتی ہیں، دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ فتح اور پائداری اور استقلال و استقرار تمام تر حق، راستی، نیکی اور خیر کے لئے ہے، بخلاف اس کے، باطل، جھوٹ، بدی اور شر کے لئے شکست، ناپائداری، عدمِ استقلال اور عدمِ استقرار مقدر ہے دوسرے لفظوں میں کوئی مستقل قدر اگر ہے تو حق میں ہے، باطل کی ساری قدر نمائشی ہے۔

یہ آیات جس ماحول میں نازل ہوئی تھیں اس میں حق اور باطل یا اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان عملاً ایک سخت درجے کی کشمکش ہو رہی تھی اور عین اس کے درمیان حامیانِ حق کو یہ اطمینان دلایا جا رہا تھا کہ پورا نظامِ کائنات حق ہی کے لئے سازگار ہے باطل کی عارضی نشوونما اگر ہوتی بھی ہے تو فطرتِ عالم کے تقاضے بہرحال اس کے خلاف ہوتے ہیں، پس تم حامیانِ باطل کے کروفر سے مرعوب ہوئے بغیر جدوجہد جاری رکھو، آخر کار یہ بازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہارے ہاتھ رہے گی۔ چنانچہ ان آیات سے اسلامیانِ عرب نے وہ جذبۂ یقین صحیح طریق سے اخذ کیا جس کے کارفرما ہوجانے کے بعد وہ اس واقعہ سے ہراساں ہوئے کہ مشرکینِ عرب ہی نہیں، گردوپیش کی تمام اقوامِ باطل کی بنیادوں پر زندگی استوار کئے ہوئے ہیں اور مٹھی بھر لوگ حق کے علمبردار بن کر نکل رہے ہیں، اور نہ وہ اس صورتِ حال سے پریشان ہوئے کہ وہ نظامِ حق جو کئی صدیوں سے معرضِ تعطل میں ہے آخر وہ آج کیسے غالب آسکتا ہے۔ چنانچہ ان کی جدوجہد کے نتائج نے ان پر عملاً ثابت کر دیا کہ قرآن نے حق و باطل کی کشمکش کا جو فلسفہ پیش کیا تھا وہ ایک اٹل فلسفہ تھا۔

وہ فلسفہ آج بھی اٹل ہے، اور آج بھی ہم اس سے جذبۂ صادق اخذ کرنے کے ضرورت مند ہیں، کیونکہ ہم بھی حق و باطل کی کشمکش کے طوفان میں کھڑے ہیں۔

لیکن ان آیات کے صحیح مفہوم کو نہ پاسکنے کی وجہ سے بعض اصحاب کو سخت غلط فہمی ہوتی ہے۔ چنانچہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب لوگ اسلام اور اس کے اصولوں کو بروئے استدلال پوری طرح حق ماننے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں دیکھتے، تو پھر وہ اپنے فوق العقلی عدمِ اطمینان کو اس دلیل سے ظاہر کرتے ہیں کہ اگر نیکی درحقیقت کوئی مستقل قدر رکھتی ہے اور فطرتِ انسانی سے اسے خصوصی مناسبت ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نیکی کم ہے اور بدی کا زور ہے، سچائی پر کاربند ہونے والوں کی تعداد قلیل ہے اور جھوٹ کو اختیار کرنے والوں کی بھاری اکثریت ہے؟ —— اور پھر یہ کہ اگر اسلام نظامِ حق تھا تو آخر وہ چلا کے روز؟ کل تیس ہی سال؟ پھر آئندہ کے لئے اس سے کیا توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں؟

یہ سوال مسلمان کہلانے والے بعض خاص اقسام کے مخالفینِ نظامِ اسلامی کی طرف سے بار بار اٹھایا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع میں جب پاکستان میں نظامِ اسلامی کا مطالبہ ابھرا تو یہ سوال زور شور سے سامنے آیا لیکن پھر دب گیا۔ اب پھر جب اسلامی دستور کی تحریک عروج پر آرہی ہے اور انقلابِ قیادت کا مرحلہ سامنے ہے یہ سوال پھر اٹھایا گیا ہے۔ گزشتہ ہفتے عشرہ میں متعدد اصحاب کی زبان سے یہ سوال سننے میں آیا۔ ہمارے اس سے پہلے بھی اس کا جواب دیا گیا تھا اور اب پھر اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس سوال کو دراصل مذکورۂ بالا آیات کے منشا کے ٹھیک ٹھیک خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ مذکورہ آیات کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصدِ نزول یہ تھا کہ مسلمان جس حق پر عقل و وجدان کے لحاظ سے ایمان لا چکے تھے اس کے لئے کشمکش کرتے وقت یہ یقین رکھیں کہ کامیابی ہے ہی حق کے لئے، اور اس یقین کی وجہ سے ان کا عزم اور ولولہ تازہ رہے۔
لیکن پیشِ نظر سوال کو اس لئے استعمال کیا جا رہا ہے کہ آج جو لوگ عقل و وجدان کے لحاظ سے اسلام پر ایمان لا کر اس کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہیں کم از کم اُن کے عزم کو متزلزل کر دیا جائے، اور غیر شعوری طور پر وہ اسلام کے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جائیں کہ اس میں کوئی نہ کوئی کمزوری ایسی موجود ہے کہ یہ اول تو اپنے غلبے کے لئے سخت ترین جدوجہد چاہتا ہے اور پھر اگر اسے غلبہ ملے بھی تو اس میں زوال و اختلال بہت جلد نمودار ہو جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ سوال جس سطحی طریق سے اٹھایا جاتا ہے، اسی سطحی سماعت کے ساتھ اُسے سنایا جاتا ہے پھر نہایت سطحی نگاہ سے اس سوال کی روشنی میں انسانی تاریخ و تمدن کو دیکھا جاتا ہے، اور علیٰ ہذا القیاس بالکل سطحی تفکر کے ساتھ اس سے کوئی نتیجہ برآمد کر لیا جاتا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں ان تمام ضروری امور کو نمایاں کر دیں جن پر اچھی طرح نظر نہ رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سوال کو دو حصوں میں تقسیم کریں:

ایک یہ کہ کیا حق ناکام ہے اور باطل کامیاب؟

دوسرے یہ کہ نظامِ حق صرف تیس سال ہی کیوں چلا؟

پہلا سوال

پہلے سوال کے جواب میں جو بات اول قدم پر جان لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ حق کی ناکامی اور باطل کی کامیابی اصولاً کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ کامیابی اور ناکامی کا تعلق خود انسان سے ہے۔ اگر بالفرض سارے انسان مل کر حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو پھر بھی حق ناکام نہیں ہوتا، ناکام وہ انسان ہی ہوتے ہیں جنھوں نے حق کو قبول کرنے سے گریز کیا اور اس کے فوائد سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے۔ سچائی ایک اصول ہے اور اگر وہ اصول حق ہے تو خواہ اسے ساری دنیا قبول کر لے، یا کوئی ایک متنفس بھی اختیار نہ کرے وہ بہرحال ایک اصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی رہے گا، جیسے صفائی اور طہارت ایک ایسا فطری اصول ہے جو بجائے خود حق ہے، اسے کوئی مانے تو بھی یہ حق ہے اور کوئی ایک متنفس بھی اس پر عمل پیرا نہ ہو تو بھی یہ حق ہی رہے گا۔ کامیاب ہم ان انسانوں کو سمجھیں گے جو اس اصولِ حق کو اپنائیں۔ پھر روشنی کی مثال لی جا سکتی ہے کہ ایک شخص روشنی کو پسند نہیں کرتا اور وہ آنکھیں بند کر کے چلتا ہے تو اس کے نتیجے میں ٹھوکریں وہی خود کھائے گا اور ناکام بھی وہی ہو گا، روشنی کی ناکامی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ روشنی کو نہ کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے، نہ پاؤں چلنا ہے، نہ ٹھوکریں کھانے کا کوئی خطرہ درپیش ہے، اور نہ کامیابی و ناکامی کے درمیان وہ معلق ہے۔ اُسے کوئی پوری طرح گُل بھی کر دے تو بھی ناکام وہ خود ہو گا۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر آگے چلیے۔

حق کی گرانی اور باطل کی ارزانی

یہ تو آپ کو معلوم ہے ہی کہ جسے اندھیرا پسند ہو اسے کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا، لیکن جو کوئی روشنی چاہے اُسے دیئے اور تیل بتی اور چراغ دان کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ آپ اپنی صحت بگاڑنا چاہیں تو یہ کام ہر لحاظ سے آسان ہے، لیکن بگڑی ہوئی صحت کو بنانا ہو یا اچھی صحت کو بحال رکھنا ہو تو تازہ ہوا، ورزش، غسل اور صفائی، غذا کی درستی، سونے جاگنے اور کام کے اوقات کی باقاعدگی، اور جذبات و اخلاق کی نگہداشت کے لیے خاص طور پر فکر کرنی ہو گی۔ زیادہ آسانی سے یہ بات یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ اگر ایک پہاڑ کی اونچی چوٹی سے نیچے لڑھکنا ہو تو اس "مقصدِ جلیلہ" کے لیے سوائے اس کے اور کچھ نہ کرنا پڑے گا کہ آپ ایک دفعہ لڑھکنے کے لیے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیں، بخلاف اس کے اگر آپ نیچے سے اُس چوٹی تک پہنچنا چاہیں تو آپ کو کششِ زمین کے خلاف زور لگانا پڑے گا، قدم تھکیں گے، دم پھولے گا، اعصاب پر بار پڑے گا، دورانِ خون تیز ہو گا، قلب زور سے دھڑکے گا، پسینہ آئے گا اور جب کہیں جا کر آپ چوٹی پر پہنچ پائیں گے۔ یہی معاملہ نیکی اور بدی اور حق اور باطل کے بارے میں پیش آتا ہے۔ آپ کو سیرتِ بد مطلوب ہو تو کسی بڑی محنت کی ضرورت نہ ہو گی، لیکن سیرتِ نیک کی تعمیر میں بڑی مشقت کرنی ہو گی اور پھر اس کی حفاظت کا انتظام کرنا ہو گا۔ آپ بدنامی کی متاع خریدنا چاہیں تو کوئی بڑی قیمت صرف نہیں ہوتی، لیکن نیک نامی اور عزت و آبرو کی جنس پر عمر بھر کی کمائی کھپانی پڑتی ہے۔ آپ اپنی کھیتی میں اگر جھاڑ جھنکاڑ اگانا چاہیں تو نہ ہل چلانا ضروری، نہ سہاگہ پھیرنا ضروری، نہ پانی اور کھاد دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری، نہ باڑ لگانا اور نلائی کرنا ضروری، بلکہ یہ "قیمتی فصل" خود بخود نشو و نما پاتی رہے گی، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کھیتی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں لیکن اگر آپ کوئی باغ اور چمن اگانا چاہیں، یا غلے اور دوسری قیمتی اجناس کی فصل اٹھانا چاہیں تو اس کے لئے زمین جوتیں گے، بوئیں گے، پانی اور کھاد دیں گے، نلائی کریں گے باڑ لگائیں گے، جب کہیں جا کر مدعا حاصل ہو گا۔ حق کے لئے مشقت ضروری ہے اور باطل بغیر مشقت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ خیر پہ بہت بڑی قیمت صرف ہوتی ہے اور شر کوڑیوں کے مول، بلکہ مفت لٹایا جا رہا ہے۔ اخلاقی صفائی اور طہارت کے لئے بڑا انتظام ضروری ہے، لیکن اخلاقی غلاظت کے لئے صرف تغافل و تساہل کا اہتمام کافی ہے۔

اب فرض کیجئے کہ ایک شخص اچھی فصل لینے کے لئے محنت کرنے سے کتراتا ہے اور زمین کو بنجر چھوڑ دیتا ہے تو ناکامی اس کی ہوئی یا اچھی فصل کی؟ ایک شخص حفظانِ صحت کی فکر نہیں کرتا اور بیمار پڑتا ہے تو ناکامی صحت کے اصول کی ہوئی یا بیمار پڑنے والے کی؟ ایک شخص حق اور راستی کی دولت اور نیکی اور خوش خلقی کی متاعِ بیش بہا کو خریدنے کے لئے محنت کی قیمت صرف کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو ناکامی حق اور نیکی کی نہ ہوگی، خود خریدار کی ہوگی۔

کثرت و قلت کا معیار

یہ بات کہ حق قیمتی ہے اور باطل ارزاں ہے یا نیکی کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور بدی کے لئے تن آسانی سے زیادہ کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوتی، اس سے قطع نظر کر کے لوگ جب اس امر واقعہ کو دیکھتے ہیں کہ اہلِ حق کم ہیں اور بندگانِ باطل کی کثرت پائی جاتی ہے اور نیکی پر کاربند ہونے والوں کا تناسب بدی میں مبتلا ہونے والوں سے زیادہ نہیں ہے تو وہ سوچتے ہیں کہ یہ حق کیسا حق ہوا اور یہ نیکی کیسی نیکی ہوئی جسے قبول کرنے والے ہمیشہ اقلیت میں رہتے ہیں اور اکثریت باطل کے خدمت گزاروں اور بدی کے مسلک کے علمبرداروں کی رہتی ہے۔

مگر اس کا کیا علاج کہ نظامِ فطرت تمام تر اس طرز پر مبنی ہے کہ اس میں جو چیز قیمتی ہے وہی کم بھی ہوتی ہے اور اس سے حصہ پانے والے خوش نصیب لوگ بھی ہمیشہ کم ہوتے ہیں، لیکن دوسری طرف جو چیز جتنی گھٹیا ہے وہ اتنی ہی زیادہ بھی ہوتی ہے اور اس سے دامن بھرنے والوں کی ہمیشہ اکثریت ہوا کرتی ہے۔ لیکن کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھٹیا چیز کی کثرت اسے قیمتی بنا سکتی ہے اور قیمتی چیز کی قلت و گرانی اسے گھٹیا بنا سکتی ہے؟ یقیناً نہیں!

خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا میں اونٹ کٹارا، جھٹ کٹیا اور جھاڑ جس کثرت سے اگتے ہیں اس کے مقابلے میں یاسمین و گلاب اور لالہ و نرگس ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔ یہاں بھوسے کے انبار کے انبار پائے جاتے ہیں لیکن سنبل و ریحان کا جمال کمیاب ہے۔ یہاں سنگ ریزوں کی بے پناہ اکثریت ہے لیکن ہیرے اور جواہر انتہائی اقلیت رکھتے ہیں۔ یہاں تانبے، پیتل اور ٹین کی بڑی بڑی مقداریں ہر روز کانوں سے برآمد ہو رہی ہیں، لیکن سونا بہت تھوڑی مقدار میں نکلتا ہے۔ یہاں سمندر کی ہر موج سینکڑوں خزف ریزے اچھالتی رہتی ہے، لیکن وہ صدف جس سے موتی برآمد ہو، شاذ و نادر ہی ہاتھ آتا ہے۔ یہاں جب دودھ کو بلویا جاتا ہے تو چھاچھ کی بہت بڑی مقدار حاصل ہوتی ہے لیکن مکھن جو اس سے نکلتا ہے مقدار کے لحاظ سے چھاچھ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں جنگلوں میں ہزار ہا ہرن چھلانگتے پھرتے ہیں لیکن مشکِ ختن جن کے نافوں سے حاصل ہوتی ہے وہ قلیل التعداد ہیں۔ یہاں یاوہ گوئی کے نمونے دن رات سڑکوں اور بازاروں اور مجلسوں میں سامنے آتے رہتے ہیں، لیکن ادب و شعر کے حسین و جمیل نمونوں کا تناسب بہت ہی کم رہتا ہے۔ یہاں بیماریوں جیسی نامطلوب شئے عام ہے لیکن معیاری صحت جیسی جنسِ مطلوب کم ہی لوگوں کو حاصل ہے لیکن آخر اس سے نتیجہ یہ کیسے نکل آئے گا کہ یاسمین و گلاب، سنبل و ریحان، سونے، موتی، جواہرات، مکھن، آہوئے ختن، ادب و شعر اور صحت کے لئے ناکامی ہے کیونکہ وہ مقدار و تعداد کے لحاظ سے کم ہیں، اور دوسری طرف اونٹ کٹارے، جھٹ کٹیے، بھوسے، تانبے، پیتل، ٹین، خزف، چھاچھ، آہوئے بے نافہ، یاوہ گوئی اور بیماریوں کے لئے کامیابی ہے، کیونکہ وہ تعداد و مقدار کے لحاظ سے پیش پیش ہیں؟

یہ نہ بھولئے کہ قیمتی چیز کی کم مقدار گھٹیا چیز کی زیادہ مقدار کو خرید سکتی ہے۔ جب دونوں متقابلاً ایک ہی منڈی میں سامنے رکھی جائیں تو حق اور خیر کی اقلیت باطل اور شر کی اکثریت سے زیادہ قیمت پائے گی۔ یعنی مدعا ہے اس آیت کا کہ:

لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ، وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ!	ردی چیز اور پاکیزہ چیز برابر نہیں ہو سکتیں، چاہے تجھے ردی چیز کی کثرت مرعوب ہی کیوں نہ کرتی ہو!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرت نے ہر گھٹیا چیز کو اس لئے عام کیا ہے کہ اس کی قیمت گرا دے اور اسے ذلت کے مقام پر رکھے اور اُس نے ہر اعلیٰ چیز کو اس لئے کم رکھا ہے کہ اس کی قدر بڑھے، وہ گراں بہا ہو اور وہ تمام اہل عزم کی نگاہوں میں عزت حاصل کرے۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ فطرت اس ترتیب کو الٹ دیتی اور اُس کی مارکیٹ میں سونا ارزاں ہوتا اور لوہا اور ٹین گراں بہا ہوتا؟ وہ یاسمین و گلاب کو ہر طرف اگاتی پھرتی اور جھاڑ جھنکار اگانے کے لئے محنت و مشقت کا مطالبہ کرتی؟ — — — — — — — — —

ادب و شعر کی صلاحیت اس کے ہاں سے ہر کس و ناکس کو ارزانی ہوتی اور یاوہ گوئی کا آرٹ پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ درجے کے مخصوص دماغ کم تعداد میں فراہم کئے جاتے؟ صحت و تندرستی کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہ ہوتی، بلکہ محنت و اہتمام کی ضرورت بیمار ہونے کے لئے پڑتی؟ تعمیر مفت میں ہوتی اور تخریب کے لئے انسانی قوتیں صرف کرنی پڑتیں؟ آدمی روشنی بہم پہنچانے کے لئے کسی ساز و سامان کا منت کش نہ ہوتا بلکہ الٹا اسے چراغوں اور بجلی کے قمقموں کی جگہ ایسے آلات کی احتیاج ہوتی جو اندھیرا پھیلا سکیں؟ بلندی کی طرف لپکنے کے لئے کوئی جسمانی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، بلکہ پستی کی طرف لڑھکنے کے لئے زور لگانا پڑتا؟ نیک بننے کے لئے کسی طرح کے تکلف کی حاجت نہ ہوتی بلکہ الٹا برا بننے کے لئے لٹریچر، تعلیم، تبلیغ، جماعت بندی اور نظام ہائے حکومت کے قیام سے مدد لینی پڑتی؟ حق پر چلنے کے لئے انسان کسی تکلیف اٹھانے کا ذمہ دار نہ ہوتا؛ اور نہ انبیاء و کتب کا سلسلہ جاری کرنا پڑتا، بلکہ یہ سب کچھ ہوتا تو فروغِ باطل کے لئے ہوتا؟

دوسرے لفظوں میں یہ کہئے کہ آدمی کو جنت تو ملتی مفت میں، البتہ جو شخص دوزخ میں جانے کا خواہشمند ہوتا، اس کو خاص طور پر اس مقصد کے لئے ریاضتیں کرنی پڑتیں!

ذرا موجودہ نظامِ فطرت کی ترتیب کو الٹ کر غور تو فرمائیے کہ کس طرح کا نقشہ مترتب ہوتا ہے!

اس نظامِ فطرت کے اندر عالمِ انسانی میں بھی اعلیٰ خدمات انجام دینے کی صلاحیتیں رکھنے والے کم ہوتے ہیں اور معمولی قسم کے افراد زیادہ ہوتے ہیں۔ اہلِ حکمت، موحدین، معلمین، مصلحین، ہنرور، مقرر، ادیب، شعرا، لیڈر، اور اس طرح کے افراد کی تعداد کبھی بھی عامیوں سے زائد تو کجا برابر بھی نہیں ہوا کرتی۔ ان

© rasailojaraid.com

مناصب پر آنے کے لئے جہاں غیر معمولی فطری صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں، وہاں اکتسابی لحاظ سے بھی محنتیں اور ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن حامی بننے کے لئے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ ٹھیک یہی صورت حق کے اصولوں پر جمنے، نیکی کو شاملِ راہ بنانے اور اعلیٰ سیرت تعمیر کرنے والوں کی بھی ہے کہ انھیں کچھ تو فطری طور پر سلامتیٔ طبع کی ضرورت ہوتی اور پھر اکتسابی طور پر بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہی بات تھی جسے علامہ اقبال نے یوں پیش کیا کہ :-

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پس حق پر جمنے والوں اور نیکی پر کاربند ہونے والوں کی کمی یہ معنیٰ نہیں رکھتی کہ حق اور نیکی ناکام قوت ہے، اور نہ باطل اور بدی کی راہ پر چلنے والوں کی کثرت اس کی دلیل ہے کہ باطل اور بدی کامیاب قوت ہے! صحیح طرزِ استدلال یہ ہے کہ کامیاب وہ لوگ ہیں جو حق کی رفعتوں کی طرف بڑھنے کے لئے ضروری محنت کر سکیں اور ناکام وہ لوگ ہیں جو حق کی منزلِ بلند کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے اور باطل کے گڑھوں میں سہولت پسندی کی وجہ سے پڑے رہ گئے۔ زیادہ لوگ اگر گڑھے میں پڑے رہیں تو گڑھا پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں سے بلند نہیں قرار دیا جاسکتا اور کم لوگ اگر چوٹی پر پہنچے ہوں تو چوٹی گڑھے سے پست نہ ہو جائے گی۔

برائی بھلائی کے روپ میں

فرض کیجیے کہ "لپٹن چائے" بہت ہی کامیاب اور مقبول ہو جائے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دوسری فرم جو لپٹن کے درجے کی چائے فراہم نہیں کر سکتی، بلکہ وہ اپنی چائے کو گھٹیا پاتی ہے، اگر میدان میں آنا چاہے تو وہ کونسی چال چلے گی؟ —— وہ یہ کرے گی کہ اپنے ہاں کی چائے کا نام لپٹن سے ملتا جلتا رکھے گی، ٹریڈ مارک اس کے مشابہ بنائے گی، لیبل بھی اسی کے انداز کا بنائے گی، اور کوشش کرے گی کہ بہت سے لوگ محض فریبِ نظر کی وجہ سے اس کا مال خریدیں اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ان طریقوں کو اختیار کر کے یہ نئی فرم خود اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ واقعی لپٹن کی چائے بہت ہی اعلیٰ درجے کی چائے ہے اور پھر وہ اپنا کاروبار جتنا بھی پھیلائے گی، درحقیقت اتنا ہی زیادہ وہ خود لپٹن چائے کے لئے میدان ہموار کرے گی! اسی طرح جو صراف پیتل کی انگوٹھی پر سونے کا ملمع کر کے بازار میں پیش کرتا ہے وہ خود سونے کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

بالکل ایسے ہی اگر آپ انسانی تاریخ تمدن اور تاریخِ اخلاق کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ باطل اور برائی جب کبھی بھی میدان میں لائے گئے ہیں حق اور نیکی کے روپ میں لائے گئے ہیں۔ گناہ کو ہمیشہ کامیاب ہونے کے لئے صواب کا جامہ آراستہ کرنا پڑا ہے اور شر کو فروغ حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ خیر کی نقل اتارنی پڑی ہے۔ باطل اور بدی کے اس طریقِ کار کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہر باطل اور بدی اور نظامِ فاسد اور ان کے علمبرداروں نے اس بات کا خود اعتراف کرکے اپنی مساعی شروع کی ہیں کہ قدر و قیمت اگر ہے تو حق اور خیر کے لئے ہے اور کامیابی اگر حاصل ہو سکتی ہے تو راستی اور نیکی اور نظامِ فلاح ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔

آپ نے ہر جھوٹے کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرتا ہے، لیکن کسی سچے کو بھی آپ نے دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کرے؟ آپ نے ہر دعوتِ شر دینے والے کو خیر کی علمبرداری کا اعلان کرتے ہوئے پایا ہوگا، لیکن کبھی آپ نے ایسا بھی منظر دیکھا کہ کوئی دعوتِ خیر دینے والا شر کی علمبرداری کا اعلان کر رہا ہو؟ آپ نے ہر خادمِ باطل کو اپنے برسرِ حق ہونے کے دلائل دیتے ہوئے ملاحظہ فرمایا ہوگا، لیکن کبھی کسی صاحبِ حق کو بھی یہ استدلال کرتے دیکھا ہے کہ میں خادمِ باطل ہوں؟ آپ نے غیر اسلامی نظاموں کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں کو بارہا دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو عین حاملِ اسلام حیثیت سے پیش کرتے ہیں لیکن کیا کبھی آپ نے اسلامی نظام کے کسی داعی کو بھی غیر اسلامی نظام کے خادم کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرتے دیکھا ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ پیتل پر لوگ سونے کا ملمع کرکے لاتے ہیں لیکن سونے پر کسی صراف نے پیتل کا ملمع کبھی نہیں کیا؟ کیا وجہ ہے کہ گھٹیا مال بیچنے والے لوگ اعلیٰ مال بنانے والوں کی نقل کرتے ہیں لیکن اعلیٰ مال بنانے والے نقلی مال بیچنے والوں کی نقل نہیں کرتے؟

اس کی وجہ ظاہر ہے۔ دراصل فطرت کے نظام میں اور انسانی تاریخ کے بازار میں، اصل کامیابی حق اور نیکی ہی کے لئے مقدر ہے، یہی وجہ ہے کہ باطل اور برائی کے سوداگر جب بھی اپنا مال لاتے ہیں تو اس کو حق اور نیکی کے رنگ میں رنگ کر لاتے ہیں۔ وہ جھوٹ کو لاتے ہیں لیکن سچائی کے لیبل کے ساتھ، وہ ذلت کو لاتے ہیں لیکن عزت کے سائن بورڈ کے ساتھ، وہ شر کو لاتے ہیں لیکن خیر کے ٹریڈ مارک کے ساتھ، وہ مفاد پرستی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتے ہیں لیکن خدمت کا عنوان دے کر، وہ مصرت کو لاتے ہیں لیکن افادیت کا رنگ روغن چڑھا کر!

نیکی اپنے نام کے ساتھ آتی ہے، بدی کے نام کے ساتھ نہیں آتی، لیکن دوسری طرف بدی کبھی اپنے نام کے ساتھ نہیں آتی، نیکی کے نام کے ساتھ آتی ہے۔ خیر ٹھیک ٹھیک اپنے روپ میں آتا ہے، شر کے روپ میں نہیں آتا، لیکن شر اپنے روپ میں نہیں آتا بلکہ خیر کے روپ میں آتا ہے۔ حق پوری طرح بے نقاب ہو کر نمودار ہوتا ہے، اپنے چہرے پر باطل کی نقاب نہیں ڈالتا، لیکن باطل میں بے نقاب ہو کر آنے کی جرأت نہیں نہیں، وہ مجبور ہے کہ حق کی نقاب اوڑھ کر آئے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق اور نیکی ہی کے لئے اصل کامیابی ہے۔ وہ خود تو کجا ان کا نام بھی اتنا کامیاب ہے کہ باطل اور بدی بھی اسی نام کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس نام کا سہارا لئے بغیر وہ یکسر ناکام ہیں۔ باطل اور بدی کا حق اور نیکی کے نام یا روپ کو استعمال کرنا خود اس بات کی شہادت ہے کہ بازارِ حیات میں سارا فروغ حق اور نیکی کے لئے ہے۔

رہی یہ بات کہ حق کے روپ میں جو باطل لایا گیا ہو اس سے کتنے گاہک دھوکا کھا گئے یا نیکی کے بھیس سے جو بدی پیش کی گئی تھی اس سے کتنے خریداروں کی نظر بندی ہو گئی، اس سے حق کی قدر و قیمت اور نیکی کی کامیابی اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر کسی بازارِ صرافہ میں ہزاروں گاہک بھی روزانہ ملمع کی انگوٹھیاں سونے کے بھاؤ خرید لے جائیں تو اس سے سونے کی کامیابی ناکامی سے اور پیتل کی کم قدری قیمت کی گرانی سے نہیں بدل جاتی۔ کامیابی اور ناکامی تو ساری خریداروں کی ہو گی کہ وہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز کرنے میں چابک دستی دکھاتے ہیں یا کوتاہی!

حق اٹل ہے، باطل متغیر ہے

حق —— اس کے جو جو بھی اصول ہیں، وہ از آدم تا ایں دم ایک ہی رہے ہیں۔ لیکن باطل ان اصولوں کے جواب میں کوئی ایسے اصول نہیں لے کے آتا جو شروع سے اب تک ایک ہی رہے ہوں۔ باطل ہر دور میں نئے اصول لے کر اٹھتا ہے، نیا فلسفہ بناتا ہے، نیا استدلال گھڑتا ہے، نیا روپ دھارتا ہے، نئی قدریں لے کے آتا ہے اور پھر حق سے مقابلہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ شکست کھاتا ہے اور میدان چھوڑ دیتا ہے۔ پھر جا کر از سرِ نو کچھ اور اصول تلاش کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ اور فلسفہ گھڑتا ہے، کچھ اور استدلال بناتا ہے اور پھر نئے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے۔ پھر شکست کھاتا ہے تو کسی نئے رنگ میں ابھرتا ہے۔ اس کا کوئی اصول پائدار نہیں، کوئی رنگ پختہ نہیں، کوئی فلسفہ اٹل نہیں، کوئی استدلال ایسا نہیں جو پائے چوبیں نہ رکھتا ہو۔

بخلاف اس کے حق ہر دور میں ایک ہی اصول رکھتا ہے، ایک ہی فلسفہ سامنے لاتا ہے، ایک ہی استدلال پیش کرتا ہے، ایک ہی اس کا روپ ہوتا ہے، اور باطل کے ہر حملے کے جواب میں وہ اپنے ایک ہی ناقابلِ فسخ ہتھیاروں سے جنگ آزما ہوتا ہے۔ حق کی فرم کے مقابلے میں ہزاروں فرمیں قائم ہوتی ہیں اور ٹوٹ جاتی ہیں پھر بنتی ہیں، پھر ٹوٹتی ہیں، لیکن وہ فرم بدستور اپنی جگہ جمی رہتی ہے۔

حق نے کہا خدا ایک ہے، لیکن باطل نے اس کے جواب میں کبھی دو خداؤں کا فلسفہ پیش کیا، کبھی تین خداؤں کا، کبھی بے شمار دیوتاؤں کا، کبھی ہمہ اوست کا، کبھی الحاد و دہریت کا، کبھی "اندھی قوت" کی خدائی کا، اور وہ برابر نت نئے فلسفے گھڑتا جا رہا ہے، لیکن حق آج بھی یہی کہتا ہے کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔ حق نے کہا کہ سچائی، دیانت، پاسِ عہد، حفظِ عصمت، احترامِ ملکیت، ہمدردی و اخوت، انسانی جان کا احترام انسانی اخلاق کے بنیادی اصول ہیں۔ باطل نے اس کے جواب میں قسم قسم کے اخلاقی نظریئے گھڑے، لیکن حق آج بھی اپنے اصولوں کی طرف بدستور دعوت دیتا ہے اور وہی اصول آج بھی فطرتِ انسانی سے مطابقت رکھتے ہیں۔

باطل کی ناکامی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آج تک وہ کوئی اٹل اصول انسانیت کے سامنے نہ رکھ سکا۔ وہ کوئی دعویٰ فطرتِ انسانی سے مستقل طور پر منوا نہ سکا۔ آج ایک چیز پیش کی اور کل خود ہی اس کی تردید کر دی، آج ایک نظریہ بنایا اور کل خود ہی اسے توڑ کے پھینک دیا، آج ایک تحریک کھڑی کی اور کل وہ نسیاً منسیا ہوگئی، آج ایک نظام بنایا اور کل اسے خود ہی ناکارہ قرار دے کر فراموشی کے گڑھے میں پھینک دیا۔ باطل تو ایک ایسا مبتدی آرٹسٹ ہے جو اپنے بنائے ہوئے ہر نقشِ فن پر پھر خود ہی تھوکتا ہے، لیکن حق کے آرٹسٹ نے جو نمونۂ فن ایک مرتبہ پیش کر دیا وہ پھر ہمیشہ کے لئے انسانی تاریخ کے عجائب گھر کی زینت بن گیا۔

کامیابی آخر وہ ہے یا یہ!

رہا یہ سوال کہ حق کے مستقل اور پائدار آرٹ کو آرٹسٹ کم ملے اور باطل کے سہل اور غیر مطمئن آرٹ کو آرٹسٹ بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل گئے تو اس سے نہ کسی فنِ لطیف کی قدر و قیمت گھٹتی ہے اور نہ کسی احمقانہ فن کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔ دوامی قدریں رکھنے والے آرٹ کے تھوڑے سے آرٹسٹ مٹا مٹا کے بنانے اور بنا بنا کے مٹانے والے آرٹسٹوں کے بڑے سے بڑے لشکر پر بھی بھاری رہیں گے۔

حق قائم بالذات ہے باطل "طفیلی" ہے

آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ کسی کاشتکار نے پیازی یا گوکھرووں کی فصل بوئی ہو اور کوئی کھیت اسی فصل کو حاصل کرنے کے لئے جوتا اور سیراب کیا جائے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ آپ کارآمد فصلیں بوتے ہیں اور ان کی اوٹ میں زمین کی زرخیزی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ غیر مطلوب قسم کی بوٹیاں اور گھاس پھونس بھی اُگ آتی ہے۔ محنتی کسان ان کا استیصال کرنے کے لئے گوڑی اور نلائی کرتا رہتا ہے، پھر بھی کچھ نہ کچھ طفیلی پودے مطلوبہ فصل کے حصے کی غذا اُڑا کر پل جاتے ہیں۔ پھر آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ تنہا آکاس بیل کہیں اُگی ہوئی پائی جائے، اس کی نہ جڑ ہوتی ہے، نہ زمین براہِ راست اسے کوئی غذا دینے پر تیار ہوتی ہے، بلکہ ہمیشہ آپ دیکھیں گے کہ آکاس بیل کسی دوسرے درخت یا جھاڑی کے طفیل پرورش پاتی ہے۔

ٹھیک یہی معاملہ حق اور باطل کا ہے۔ باطل جہاں بھی پایا جاتا ہے کسی حق کے سہارے پایا جاتا ہے، خالص باطل دُنیا میں کہیں بھی وجود نہیں رکھتا، انسانی فطرت کی کھیتی میں وہ اگر اُگتا ہے تو حق کی اوٹ میں اُگتا ہے، اور اس کے حصے کی غذا کے بل پر پلتا ہے یہ آکاس بیل کی طرح دوسرے درختوں اور پودوں کے اوپر پھلتا اور پھولتا ہے۔

دُنیا میں ہر برائی کسی نیکی کا سہارا لے کر جیتی ہے اور ہر گناہ کو کسی صواب کی اوٹ لینی پڑتی ہے۔ آج تک جتنے نظام ہائے باطل پیش کئے گئے ہیں اور دنیا میں قائم ہو سکے ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو خالص باطل اور خالص برائیوں پر مشتمل ہو، بلکہ باطل اور برائی جب بھی چلی ہے تو اس حق اور نیکی کے بل پر چلی ہے جس کا کچھ نہ کچھ جزو ہر نظامِ باطل میں شامل رہتا ہے۔

تمام نظام ہائے باطل خالص باطل ہونے کے بجائے حق و باطل کے مرکبات ہوتے ہیں اور ان کی مقبولیت، ان کا قیام، ان کا استحکام اور ان کا پھیلاؤ حق کی اس مقدار کے اوپر منحصر ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی وجہ سے وہ جی جاتے ہیں۔ نظامِ سرمایہ داری میں بھی باطل موجود ہے اور نظامِ اشتراکی میں بھی باطل کا ایک بڑا جز شامل ہے، لیکن حق کی ایک مقدار اس کے ساتھ بھی ہے اور ایک اس کے ساتھ بھی ہے، اور یہی حق کی مقدار ہے جس کے سہارے دونوں کے باطل جی رہے ہیں۔ اُس کے پاس بھی بعض بھلائیاں ہیں جن میں انسانیت کے لئے اپیل موجود ہے، اور اس کے پاس بھی کچھ خوبیاں ہیں جن میں فطرتِ آدم کے لئے کشش ہے۔ یہ دونوں جب بھی بلاتے ہیں تو اپنے بھلائی کے پہلو سامنے لاکر بُلاتے ہیں اور لوگ اگر انھیں قبول کرتے ہیں تو ان کی بھلائیوں ہی کے لئے قبول کرتے ہیں —— ان کی برائیاں تو ان بھلائیوں کے اوپر آکاس بیل کی طرح لپٹی ہوئی ہیں کہ ان کو قبول کیجئے تو از خود ساتھ آئیں گی۔

جب کوئی نظامِ باطل حق کی کم سے کم مطلوبہ مقدار کو بھی کھو بیٹھتا ہے تو پھر اس کا پنپنا محال ہو جاتا ہے اور خالص باطل کے لئے تو دنیا میں کوئی چانس ہی نہیں!

تاریخ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نظامِ باطل کے قیام و بقا کا انحصار بھی اس کے جزوِ حق پر ہوتا ہے اور اس وجہ سے اُس کی کامیابی دراصل حق کی کامیابی ہی کا نتیجہ ہے۔ ماضی ہو یا حال، ہر اصول اور فلسفہ اور نظام اپنے جزوِ حق کی وجہ سے مقبول اور قیام پذیر ہوتا ہے۔

حق و باطل کے مرکبات کا تصادم

تاریخ اصولوں، فلسفوں اور نظاموں کے تصادم کی جولانگاہ ہے۔ اس تصادم میں کامیابی اور ناکامی جس اصول پر ہوتی ہے وہ خود گواہی دیتا ہے کہ کامیاب حق ہے اور باطل بہرحال ناکام ہے۔

یہ تو واضح ہے ہی کہ خالص باطل کے لئے دنیائے انسانیت میں کوئی جگہ نہیں۔ حق و باطل کے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ ان مرکبات میں تصادم ہوتا ہے اور ہر تصادم میں بازی اُس اصول، فلسفے اور نظام کے ہاتھ رہتی ہے جس میں باطل کا تناسب کم اور حق کا تناسب زیادہ ہو۔ ۵ فی صدی حق اور ۱۰ فی صدی حق رکھنے والے اصول و نظام کے درمیان اگر ٹکر ہو گی تو ۱۰ فی صدی حق رکھنے والا نظام میدان مار لے گا۔ وہ ساری توڑ پھوڑ جو قرآن کی ذیل کی آیت کی رو سے ہوتی، اسی اصول پر ہوتی ہے:-

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعضٍ — اگر اللہ تعالیٰ ان (اہلِ باطل) میں سے بعض کو بعض کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لفسدت الارض۔ ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔

پھر قانونِ تصادم کے تحت قرآن کا فلسفہ یہ بتاتا ہے کہ مرکباتِ حق و باطل میں سے کوئی بھی جب خالص حق کے سامنے آتا ہے تو اس کے لئے آخر کار لازماً شکست مقدر ہوتی ہے۔ جن آیات کو اس مضمون کے آغاز میں درج کیا گیا ہے ان میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ جب بھی کوئی گروہ خالص حق کو لے کر اٹھتا ہے اور اس کے لئے کما حقہ جدوجہد کرتا ہے تو آخر کار کامیابی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ العاقبۃ للمتقین! انجام کار اہلِ تقویٰ کے لئے ہی ہے!

خالص حق کے علمبرداروں کی کمی کیوں؟

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب حق انسانی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے جب نظام کائنات پوری طرح سازگار اسی کے لئے ہے، جب حقیقی اور پائدار کامیابی بھی اسی کے لئے مقدر ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے علمبردار اقلیت میں رہتے ہیں؟ اس کا جواب دے دیا جا چکا ہے۔ تاہم ایک مرتبہ پھر ہم اس جواب کو تازہ کر دینا چاہتے ہیں۔

صفائی انسانی فطرت کے مطابق بھی ہے اور صفائی میں پوری پوری افادیت بھی ہے، لیکن پھر بھی صفائی کے تقاضے پورا کرنے والوں کی تعداد کم ہے۔ اور صفائی کی نمائش کی اوٹ میں ہر طرح کی غلاظتوں کو چھپا چھپا کر رکھنے والوں کی اکثریت ہے! صحت ہر شخص کو محبوب ہے اور بیماری کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، لیکن وہ لوگ جو حفظانِ صحت کے اصولوں پر پوری طرح کاربند ہوں اور بیماری سے بچنے کی تدابیر اختیار کریں بلحاظ تناسب اقلیت میں رہتے ہیں۔ جو صورت معاملہ یہاں ہے وہی حق کے اختیار کرنے میں بھی ہے۔

انسان میں ایک طرف بھلائی اور فائدے کی خواہش موجود ہے اور دوسری طرف اس میں سہولت پسندی اور آرام طلبی کا رجحان بھی کارفرما ہے۔ بھلائی اور فائدے پر محنت صرف ہوتی ہے اور محنت صرف کرنے میں آرام طلبی کا رجحان مانع ہوتا ہے۔ ان دونوں رجحانات کی کشمکش کے تحت آدمی کو عجیب قسم کے ذہنی احوال پیش آتے ہیں۔ وہ کبھی قریب کے چھوٹے فائدے کو دور کے بڑے فوائد پر ترجیح دیتا ہے، وہ کسی فوری مشقت سے بچنے کے لئے بعد کی تکلیف کو گوارا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، وہ تھوڑی محنت کر کے تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے کو اس سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے کہ زیادہ محنت کر کے زیادہ بڑا فائدہ حاصل کرے۔

اب چونکہ حق یا باطل کو قبول کرنے پر انسان کو فطری جبریت میں مبتلا نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اسے اختیار دیا گیا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ آزادی سے خود انتخاب کرے۔ اس وجہ سے خالص حق کی گراں بہا دولت کو حاصل کرنے کے لئے محنت و ایثار کی بھاری قیمت ادا کرنے والے مردانِ جری کم ہوتے ہیں اور حق و باطل کے سستے مرکبات کے لئے محنت و ایثار کی تھوڑی پونجی صرف کرنے والے زیادہ نکلتے ہیں۔ جیسے سستے مال کے گاہک ہمیشہ زیادہ پائے جاتے ہیں۔

اگر انسانوں کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ حق و باطل میں سے خود کسی ایک کو انتخاب کریں اور ساری زندگی اس کی خدمت میں صرف کردیں تو ظاہر بات ہے کہ اس آزادی کے تحت یہ واقعہ ہونا کچھ بھی بعید نہیں کہ ایک بڑی اکثریت خالص حق سے اعراض کرے، پھر وہ کسی غلط اصول اور باطل نظام کی علمبردار بنے، وہ اس کے لئے دعوت پھیلائے، وہ اس کے لئے منظم ہو، وہ اس کے لئے ذرائع و وسائل جمع کرے، وہ اس کے لئے لڑائیاں لڑے، وہ اس کے لئے لٹریچر اور نظامِ تعلیم فراہم کرے، وہ اس کے سامنے ساری دُنیا کی گردن جھکانے میں مصروف ہو جائے ــــــ یہاں تک کہ اس کا غلبہ عالمگیر ہو اور وہ تاریخ کے ایک طویل دور پر چھا جائے۔

ایسا ہی ایک دور ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں، اور اس میں باطل کا غلبہ دیکھ کر بظاہر اتنی مرعوبیت طاری ہوتی ہے کہ غلبۂ حق کے امکان سے مایوسی ہوتی ہے حالانکہ یہ دوسرا امکان بھی اسی طرح موجود ہے! باطل کے غلبے کے لئے اس کے حامیوں کی بہت بڑی اکثریت جتنا کام کرتی ہے، وہی کام حق کے حامیوں کی نسبتۃً بہت کم تعداد سرانجام دے سکتی ہے اور اہلِ حق کا ایک مختصر گروہ اگر معیاری درجے کا ہو تو وہ ساری انسانیت کو اپنے آگے بھیڑ بکریوں کے ایک ریوڑ کی طرح ہانک سکتا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو اُدھر کی کثرت اور اِدھر کی قلت کا توازن (BALANCE) برابر کر دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com